ĪQĀN- Vol: 03, Issue: 01, Dec-2020
DOI: 10.36755/iqan.v3i01.235 PP: 21-40

OPEN ACCESS
ĪQĀN
pISSN: 2617-3336
eISSN: 2617-3700
www.iqan.com.pk

السنۃ الترکیۃ کی عصری معنویت اور اتحاد امت مسلمہ: تحقیقی جائزہ

Contemporary Ideality of Sunnah al-Tarkiyah and Unity of the Muslim Ummah: Research Overview

*** Muhammad Usman Khalid**
Ph. D Scholar, Department of Islamic Studies,
University of Engineering & Technology, Lahore, Pakistan. < m.usmank111@gmail.com >

****Dr. Muhammad Shahbaz Hassan**
Associate Professor, Department of Islamic Studies,
University of Engineering & Technology, Lahore, Pakistan. < pdshahbaz@gmail.com >

Version of Record
Received: 12-Jul-20
Accepted: 01-Nov-20
Online/Print: 30-Dec-20

ABSTRACT

This research eradicates the motives of innovation in the acts and deeds of Muslim Ummah. The un-islamic and unlawful additions are going to destruct the Ummah day by day. Innovation in its sense, has no more importance, but its pioneers are spreading it. All the disputes at last has roots in these innovations. Muslim ummah remained united until or unless innovations intermingled. As era went far off from the Nabwi era, the real sense of religion being vanished. As 14th century A.H. came nobody is there to prove innovations as no more part of Islam. Followers of innovation are increasing day by day and there are minority of Muslims left who want to get rid of it. Majority is serving his energy to prove that innovations are part of Islam. Secondly, they find its roots from Nabwi era which is useless. Thirdly, they wrongly proving its reward in this world and hereafter. Major objective of this research is to intimate all such acts and deeds which are wrongly now going to be the part and parcel of Shari'ah, as well as be the part of our legislation. Such kind of all deeds and actions must be condemned and discouraged for the sake of unity peace and sovereignty of the Muslim world.

Keywords: *Unity; Al-Sunnah al-Tarkiyah; Integrity; Innovation; Disagreement.*

CC BY

تعارف:

اسلام کی بنیادی تعلیمات قرآن وسنت کی صورت میں محفوظ ہیں۔اس نظریاتی و عملی دین کا مکمل نمونہ رسول ﷺ کی ذات گرامی ہے۔اسلام کے اساسی اصول تو قرآن مجید میں موجود ہیں جبکہ ان کی تشریح رسول ﷺ کی سنن مبارکہ ہیں اور یہ تشریح آپ ﷺ کی ذاتی سوچ پر مشتمل نہیں بلکہ یہ بھی الہامی ہے۔آپ ﷺ کی تعلیمات کے بغیر دین کو سمجھنا ممکن نہیں ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کو بھی لازمی ٹھہرایا گیا ہے۔جس کا مطلب یہ ہے کہ دینی نقطہ نظر سے قرآن کے پہلو بہ پہلو اسلام کا دوسرا سرچشمہ جس سے ایمان و عمل کے تقاضے مکمل ہوتے ہیں وہ اطاعت رسول ﷺ ہے جس کا واحد ذریعہ سنن مبارکہ ہیں۔
رسول اللہ ﷺ نے قرآنی تعلیمات کی تشریح و تبیین کے لیے حالات و واقعات کے پیش نظر مختلف طریقے اختیار فرمائے ہیں۔بعض اوقات کسی خاص مسئلے میں امت کی راہنمائی کے لیے آپ حکم صادر فرماتے اور بعض حالات میں عملی نمونہ پیش کرنے کی صورت زیادہ کارگر ہوتی، اصلاح امت کے لیے کبھی زبان نبوت حرکت میں آتی تو کبھی آپ ﷺ خاموش رہ کر اس کام کو جواز فراہم کرتے ہیں اسی طرح بعض اوقات آپ ﷺ کسی کام کو 'ترک' کرکے امت کی راہنمائی کرتے ہیں، دین اسلام کی تشریح و تبیین کی یہ مختلف صورتیں ہیں جن پر سنت کا اطلاق ہوتا ہے۔
شرعی احکام کی وضاحت کے لیے نبی ﷺ کی سنت کا ایک اور پہلو بھی موجود ہے جس کی طرف کم توجہ دی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ بہت سارے مسائل میں نبی ﷺ سے ان کا "ترک" کرنا بھی ثابت ہے۔آپ ﷺ نے ان افعال کو سرانجام نہیں دیا یعنی وہ افعال آپ ﷺ کے عمل کا حصہ نہیں ہیں۔ایسے افعال کو السنۃ الترکیۃ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔رسول اللہ ﷺ کے چھوڑے ہوئے کاموں کی تقسیم مختلف اعتبار سے مختلف ہے اور یہ کہ ان میں سے کس کو سنت کہا جا سکتا ہے اور کس کو نہیں؟ترک شدہ امور میں سے کن پر عمل کرنا واجب ہے کن پر نہیں؟
زیر نظر تحقیق میں اس بات کا جائزہ لیا گیا ہے کہ اتحاد امت مسلمہ میں السنۃ الترکیۃ کا کیا کردار ہے؟

سنت کی اقسام:

قولی: اس کا اطلاق رسول اللہ ﷺ کے اقوال و فرامین پر ہوتا ہے۔[1]

فعلی: اس کا اطلاق رسول اللہ ﷺ کے افعال پر ہوتا ہے۔[2]

تقریری: اس سے مراد یہ ہے کہ نبی ﷺ کے سامنے کوئی کام ہوا یا آپ ﷺ کے مبارک زمانے میں کوئی کام کیا گیا اور آپ کو اس کا علم ہوا لیکن آپ نے اس کا انکار نہ کیا۔[3]

---

[1] ملا جیون حنفی، **نور الانوار** (ملتان: مکتبہ شرکت علمیہ، س ن)، ۱۷۹.

[2] علی بن محمد الجرجانی، **کتاب التعریفات** (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۳ھ)، ۱۲۲.

[3] طاہر بن صالح الجزائری، **توجیہ النظر إلی أصول الأثر** (حلب: مکتبہ المطبوعات الاسلامیہ، ۱۴۱۶ھ)، ۱:۱.

السنة الترکیة سنت کی دوسری قسم ''فعلی''میں شامل ہے۔اس کی دلیل قرآن وسنت اور لغت عرب میں موجود ہے۔قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کاارشاد ہے:

''وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ''[1]

''سود کاجو حصہ بھی (کسی کے ذمے) باقی رہ گیاہو ،اسے چھوڑ دو۔پس اگر تم ایسانہیں کروگے تواللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو''

اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمان 'ذَرُوا'میں چھوڑنے کاحکم دیا ہے اور یہ 'اترکوا' کے معنی میں ہے۔پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا 'فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا' یعنی اگر تم نے ترک نہ کیا۔یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ترک بھی ایک فعل ہے۔اسی طرح اللہ تعالیٰ کاارشاد ہے:

''وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا''[2]

''اور رسول کہیں گے اے میرے رب ! میری قوم نے تواس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا''

یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ترک فعل ہے۔علامہ شنقیطیؒ فرماتے ہیں کہ آیت میں 'اخذ' کا معنی 'تناول' ہے اور 'مھجورا' کا معنی 'متروک' ہے تو مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے اسے متروک کیا یعنی انہوں نے اسے چھوڑ دیا۔[3]سنت نبوی میں السنة الترکیة کی مثال وہ روایت ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا:

''على كل مسلم صدقة فقالوا:يا نبي الله، فمن لم يجد؟ قال:يعمل بيده فينفع نفسه ويتصدق، قالوا: فإن لم يجد؟ قال: يعين ذا الحاجة الملهوف، قالوا: فإن لم يجد؟ قال:فليعمل بالمعروف وليمسك عن الشر فإنها له صدقة''[4]

''ہر مسلمان پر صدقہ واجب ہے لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ ! جس کے پاس مال نہ ہو؟آپ نے فرمایا:اپنے ہاتھ سے کام کرے اور خود بھی نفع اٹھائے اور خیرات کرے،لوگوں نے کہا اگر یہ بھی میسر نہ ہو؟ توآپ نے فرمایا: حاجت مند مظلوم کی امداد کرے۔لوگوں نے کہا اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو؟ توآپ نے فرمایا: اچھی باتوں پر عمل کرے اور برائیوں سے رکے اس کے لیے یہی صدقہ ہے''

اس حدیث میں نبی ﷺ نے 'شر' کے ترک کو صدقہ قرار دیا اور صدقہ ضروری طور پر فعل ہی ہوتا ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ کسی کام کاترک کرنا بھی فعل ہی کی ایک قسم ہے۔عربی لغت میں بھی الترك فعل پر بولا جاتا ہے۔جیساکہ مسجد نبوی کی تعمیر کے موقع پر ایک انصاری صحابی نے کہا تھا:

---

[1] البقرۃ:۲۷۸-۲۷۹.

[2] الفرقان:۳۰.

[3] محمد الامین بن محمد الشنقیطی، **مذكرة في أصول الفقه** (مدینہ منورہ: مکتبہ العلوم والحکم،۲۰۰۱ء)،۴۶.

[4] محمد بن اسماعیل البخاری، **الجامع الصحیح** (الریاض: دار السلام،۱۴۱۹ھ)، حدیث:۱۴۴۵.

"لأن قعدنا والنبی یعمل لذاک منا العمل المضلل"[1]

"اگر ہم بیٹھے رہے اور نبی ﷺ کام کرتے رہے تو ہمارا یہ عمل درست نہ ہوگا"

اس جملے کی وضاحت میں علامہ شنقیطیؒ فرماتے ہیں:

"فمعنی قعدنا ترکنا الاشتغال ببناء المسجد"[2]

"قعدنا کا معنی تعمیر کی مشغولیت کو ترک کردینا ہے"

اور اسی "ترک" کو جملے کے دوسرے حصے میں عمل سے تعبیر کیا گیا ہے۔

سنت فعلی کی ذیلی اقسام:

مذکورہ بالا دلائل سے جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ 'ترک' بھی فعل میں شامل ہے تو کام کرنے یا اسے ترک کرنے (مثبت و منفی) کے اعتبار سے 'سنت فعلی' کی مزید دو اقسام بن جاتی ہیں: سنت فعلیہ اور سنت ترکیہ۔ صحیح طور پر سنت کی پیروی کرنے کے لیے سنتِ فعلیہ کے ساتھ ساتھ سنتِ ترکیہ کی معرفت حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔ 'سنت ترکیہ' کی معرفت حاصل کیے بغیر فرمان الٰہی 'لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ'[3] پر عمل کرنا ممکن نہیں ہے۔

السنۃ الترکیۃ کی تعریف:

امام ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ) السنة الترکیة کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ترک راتب[4] سنت ہے جیسا کہ فعل راتب سنت ہے، برخلاف اس کے کہ جب ترک کسی مقتضی[5] کے نہ ہونے یا شرط فوت ہونے یا مانع[6] کی موجودگی کی وجہ سے ہو۔ اس کا مقتضی یا شرط بعد میں پائی جائے اور شریعت اس کے عمل پر دلالت کرے جیسا کہ مصحف میں قرآن کریم جمع کرنا اور لوگوں کو ایک امام کے پیچھے تراویح میں جمع کرنا، عربی زبان سیکھنا اور علم منقولی کے اسماء وغیرہ جن کی دین میں اس طور پر ضرورت ہے کہ واجبات و مستحبات اس کے بغیر مکمل نہیں ہوتے اور رسول اللہ ﷺ نے ان کو کسی شرط کے نہ ہونے یا مانع کے ہونے کی وجہ سے ترک کیا۔[7]

---

[1] شنقیطی، **مذکرۃ فی أصول الفقہ**، ۴۷.

[2] أیضاً.

[3] الاحزاب: ۲۱.

[4] سنت مؤکدہ، جس پر عمل ضروری ہو، ثابت شدہ سنت.

[5] اس سے مراد وہ شے، چیز یا محرکات ہیں جو فعل یعنی کسی کام کے کرنے کا تقاضا کرتے ہیں.

[6] اس سے مراد وہ شے ہے جو فعل یعنی کسی کام کے کرنے میں رکاوٹ پیدا کرے.

[7] احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ، **مجموع الفتاوی** (مدینہ منورہ: مجمع الملک فہد لطباعۃ المصحف الشریف، ۱۴۱۶ھ)، ۲۶: ۱۷۲.

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کی مذکورہ عبارت سے السنۃ الترکیۃ کی تعریف یہ کی جاسکتی ہے کہ 'رسول اللہ ﷺ کا کوئی کام اپنی امت کے بیان کے لیے اس کے مقتضی کے ہونے کے باوجود چھوڑ دینا'۔امام زرکشیؒ نے سنت نبویہ کی تقسیم کے بیان میں ساتویں قسم السنۃ الترکیۃ بیان کی ہے اور اس کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کرتے ہیں:

''لَمْ يَتَعَرَّضُوا لِتَرْكِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَقَدْ احْتَجَّ الْقَائِلُونَ بِعَدَمِ دَلَالَةِ الْفِعْلِ عَلَى الْوُجُوبِ أَنَّهُ لَوْ دَلَّ عَلَيْهِ لَدَلَّ التَّرْكُ عَلَى الْوُجُوب''[1]

''جو افعال رسول اللہ ﷺ نے چھوڑ دیے ان سے تعرض[2] نہیں کیا اور عدم دلالت فعل کو حجت سمجھنے والوں نے عدم دلالت فعل کو وجوب پر دلیل بنایا ہے اس لیے کہ اگر یہ عدم دلالت فعل اس پر دلالت کرے تو یہ ترک دلیل وجوب ہوگا''

علامہ ابن القیمؒ نے سنت کی چار اقسام بیان کی ہیں اور چوتھی قسم یہ بیان کی:

''نَقْلُهُمْ لِتَرْكِ شَيْءٍ قَامَ سَبَبُ وُجُودِهِ وَلَمْ يَفْعَلْه''[3]

''ایسی چیز جس کا سبب وجود تو موجود ہو لیکن اس فعل کا ترک نقل کیا گیا ہو یعنی اس کو نہ کیا گیا ہو''

'نَقْلُ التَّرْكِ' کے عنوان کے تحت فرمایا ہے کہ صحابہ کا 'ترک نبی' کو ذکر کرنا دو قسموں کا ہے اور دونوں سنت ہیں۔

مندرجہ بالا تعریفات کا خلاصہ یہ ہے کہ السنۃ الترکیۃ سے مراد وہ امور ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو دکھانے کے لیے قدرت اور مقتضی کے ہونے اور مانع کے نہ ہونے کے باوجود نہ کرنا اختیار کیا۔لہٰذا وہ تمام امور السنۃ الترکیۃ سے خارج ہو جائیں گے جن کو رسول اللہ ﷺ نے عدم قدرت کی بنا پر ترک کیا یا ایسے امور جن کو ترک کرنے کے اس وقت کے حالات متقاضی تھے یا کوئی مانع موجود تھا یا ایسے امور جن کو آپ ﷺ نے کسی خصوصیت کی وجہ سے ترک کیا۔اسی طرح وہ کام 'ترک النبی' میں شامل نہ ہوں گے جو آپ ﷺ نے ان کاموں کا وجود بالکل نہ ہونے کی وجہ سے چھوڑے کیونکہ ان میں اختیار کا عنصر موجود نہیں تھا۔لہٰذا گاڑی پر سواری نہ کرنے، خیراتی ادارے نہ بنانے اور رسالے شائع نہ کرنے سے ان اشیاء کی نفی پر استدلال نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہ اشیاء دور رسالت میں موجود ہی نہ تھیں اور رسول ﷺ ان اشیاء کے استعمال پر مخیّر نہ تھے۔ان اشیاء کا حکم دوسرے دلائل سے معلوم کیا جاسکتا ہے کیونکہ احکام شرعیہ کا مدار صرف 'ترک' پر ہی نہیں ہے بلکہ دیگر دلائل بھی موجود ہیں۔

نبی ﷺ کے ترک کردہ افعال کو سنت کہنے کی شرعی حیثیت:

رسول اللہ ﷺ کے افعال، اقوال اور تقریرات کو تو سنت کہنے میں کوئی شک نہیں ہے لیکن آپ ﷺ کے 'ترک' کردہ افعال کو سنت

[1] محمد بن عبداللہ بن بہادر الزرکشی، **البحر المحيط في أصول الفقه** (بیروت: دار الکتب، ۱۴۱۴ھ)، ۶: ۴۰.

[2] چھوڑ دینا، غور کرنا، ارد گرد کا ماحول.

[3] محمد بن ابو بکر ابن القیم الجوزیۃ، **إعلام الموقعین عن رب العالمین** (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۱ھ)، ۲: ۲۷۸.

کا نام دینا کیسا ہے؟اس کے بارے میں حدیثِ رَھْط میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ تین آدمی ازواج مطہرات کے پاس گئے اور رسول اللہ ﷺ کی عبادت کے بارے میں پوچھا۔جب ان کو بتایا گیا تو گویا انہوں نے اپنے لیے زیادہ کی ضرورت محسوس کی۔ان میں سے ایک نے کہا کہ میں ہمیشہ رات کو عبادت کروں گا دوسرے نے کہا کہ میں ہمیشہ دن کو روزہ رکھوں گا تیسرے نے کہا کہ میں کبھی شادی نہیں کروں گا۔جب نبی ﷺ کو اس بات کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے سختی سے منع کر دیا اور فرمایا: خبر دار! جس نے میری سنت سے انکار کیا وہ ہم میں سے نہیں ہے[1] حالانکہ انہوں نے نیکی کا ہی اظہار کیا تھا لیکن وہ نیکی سنت کے مطابق نہ ہونے کی وجہ سے نبی ﷺ نے منع کر دیا۔واضح رہے کہ اگر کوئی بھی عمل سنت نبوی کے موافق ہے تو چھوٹے سے چھوٹا عمل بھی مقبول ہے اور اگر بدعت ہے تو بڑے سے بڑے عمل کی بھی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

آپ ﷺ نے ان پر جس طرح ناگواری کا اظہار فرمایا اور وضاحت فرمائی اس سے معلوم ہوا کہ السنۃ الترکیۃ کو نہ اپنانے والا بھی آپ ﷺ کی 'سنت' کا تارک ہے۔اس حدیث مبارکہ میں آپ ﷺ نے مذکورہ بالا تینوں کام کے کرنے اور نہ کرنے یعنی 'فعل' اور 'ترک' دونوں کو سنت کا نام دیا ہے بلکہ یہ حدیث مبارکہ مذکورہ بالا کاموں میں رغبت کے باوجود، ان کے 'ترک' کرنے میں زیادہ واضح ہے۔

السنۃ الترکیۃ کی شرائط:

ایسے امور جن کو آپ ﷺ نے ترک کیا ہے تو آپ ﷺ کی اتباع کرتے ہوئے ان امور کا ترک کرنا واجب ہے۔لیکن اس قسم کے ترک کی کچھ شرائط ہیں[2]؛

شرط اول: اس فعل کا تقاضا کرنے والے امور کا موجود ہونا، کسی کام کی ضرورت تھی لیکن آپ ﷺ نے وہ کام نہیں کیا تو اس کام کا ترک کرنا واجب ہے۔جیسا کہ عیدین کے لیے اذان واقامت ترک کرنا۔[3] باوجود یہ کہ ان کا مقتضی بھی موجود تھا کہ لوگوں کو نماز عید کے لیے بلایا جائے اور نماز عید چونکہ باجماعت مشروع ہے اور لوگوں کو باجماعت نماز کی ادائیگی کے لیے جمع کرنے کی ضرورت ہے، جمع کرنے کے لیے اعلان کی ضرورت ہے اور یہ اعلان اذان کی صورت میں دیگر نمازوں کے لیے موجود تھا۔اب نماز عید کے لیے اذان دینے کا سبب یعنی لوگوں کو جمع کرنا عہد رسالت میں موجود تھا مگر اس کے باوجود آپ نے اذان نہیں کہی یا اذان کا حکم نہیں دیا تو یہ اذان نہ کہنا السنۃ الترکیۃ ہے اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ امام شاطبیؒ فرماتے ہیں: سبب ہونے کے باوجود شارع نے کسی فعل سے سکوت اختیار کیا ہے اور نزول حوادث کے باوجود اس میں کوئی نیا حکم جاری نہیں کیا تو ایسے احکام میں شارع کا سکوت نص کی طرح ہے اور شارع کا مقصد یہ ہے کہ اس میں نہ کمی کی جائے اور نہ ہی زیادتی۔کیونکہ جب کسی عملی حکم میں سبب موجود ہے لیکن اس سبب کے

---

[1] البخاری، **الجامع الصحیح**، حدیث: ۵۰۶۳.

[2] ابن تیمیہ، **مجموع الفتاوی**، ۲۶: ۱۷۲.

[3] مسلم بن الحجاج القشیری، **الصحیح** (الریاض: دار السلام، ۲۰۰۰ء)، حدیث: ۸۸۵.

باوجود شارع نے اس کو مشروع قرار نہیں دیا تو یہ صریح دلالت ہے کہ وہ فعل بدعت ہے اور شارع کی منشاء کے خلاف ہے۔[1] اس میں بنیادی شرط یہ ہے کہ یہ ترک قدرت کے باوجود ہو۔ جیسا کہ آپ ﷺ کا شراب پینے والے کو قتل نہ کرنا۔[2] یہ اس کے قتل کے حکم کا نسخ ہے۔ اگر یہ ترک قدرت کے باوجود نہ ہو تو پھر یہ ترک سنت نہ ہو گا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا اذان دینے کے لیے سپیکر اور اسی طرح کی دوسری اشیاء کا استعمال نہ کرنا کہ آپ ﷺ ان اشیاء کے اس زمانہ میں موجود نہ ہونے کہ وجہ سے ان کے استعمال پر مخیّر نہ تھے اسی طرح مانعین زکوۃ کے خلاف جہاد نہ کرنے کو السنة التركية نہیں کہا جا سکتا کیونکہ اس کا مقتضی نہ تھا یعنی آپ ﷺ کے دور میں مانعین زکوۃ موجود نہ تھے۔ لہٰذا اتحاد امت مسلمہ کا تقاضا یہ ہے کہ ہر عمل کو دور نبوی میں موجود ہونے یا نہ ہونے کی رو سے پرکھا جائے پھر اس پر فعل یا ترک کا حکم لگایا جائے۔ لیکن وہ فیصلہ اجماع پر منطبق ہو، تاکہ امت مسلمہ اس پر متفق ہو۔

شرط دوم: اس کام کو ترک کرنا ہی مقصود ہو، ایسا کام جو آپ ﷺ نے قصداً ترک کیا ہو جیسا کہ خطبہ جمعہ میں منبر پر دعا کے وقت ہاتھ نہ اٹھانا۔ آپ ﷺ نے اس موقعہ پر ہاتھ قصداً نہیں اٹھائے لہٰذا اس فعل کا ترک کرنا واجب ہے۔ اسی طرح منافقین کو قتل کرنے کو ترک کرنا۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ 'دَعْهُ، لاَ يَتَحَدَّثُ النَّاسُ أَنَّ مُحَمَّدًا يَقْتُلُ أَصْحَابَه'[3] اس کو چھوڑ دو کہیں لوگ یہ نہ کہنے لگیں کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کر دیتے ہیں'۔ اگر ترک کا قصد نہ کیا گیا ہو تو ترک کی اتباع واجب نہیں ہو گی جیسا کہ آپ ﷺ کا نماز کے اوقات کی تحدید میں فلکی حساب سے مدد چاہنے کو ترک کرنا، بازاروں اور عام جگہوں میں بیت الخلاء بنوانے کو ترک کرنا تو یہ 'ترک' سنت نہ ہو گا۔ لہٰذا امت مسلمہ پر واجب ہے جس فعل کو آپ ﷺ نے ترک کیا ہو اسے اسی طرح ترک کیا جائے۔ اس کے عمل کا کوئی جواز کارگر نہیں ہو سکتا۔ اسی سے امت مسلمہ میں اتحاد قائم رہ سکتا ہے۔

شرط سوم: ترک کلّی ہو، آپ ﷺ نے کسی کام کو ہر اعتبار سے یا کسی ایک اعتبار سے کلی طور پر ترک کر دیا ہو۔ جیسا کہ آپ ﷺ کا نماز جنازہ اور عیدین کے لیے اذان و اقامت ترک کرنا، جمعہ والے دن منبر پر دعا کرتے ہوئے ہاتھ اٹھانے کو ترک کرنا اور فجر کی نماز کے علاوہ باقی نمازوں کے لیے تثویب کے حکم کو ترک کرنا[4] لیکن جب آپ ﷺ کا ترک ہر اعتبار سے جزئی ہو، اگرچہ اکثر اوقات ہی ایسا ہو تو آپ ﷺ کے ترک کی اتباع واجب نہیں ہو گی، جیسا کہ آپ ﷺ کا جزئی طور پر چاشت کی نماز کو ترک کرنا[5] سفر میں افطار کو ترک کرنا اور حالت حضر میں روزے کو ترک کرنا حتیٰ کہ کہا جاتا کہ آپ ﷺ روزہ رکھیں گے ہی نہیں۔[6]

---

[1] ابراہیم بن موسیٰ الشاطبی، **الموافقات** (سعودی عرب: دار ابن عفان، ۱۴۱۷ھ)، ۳:۱۵۷.

[2] محمد بن عیسیٰ الترمذی، **السنن** (الریاض،: دار السلام، ۱۴۲۰ھ)، حدیث: ۱۴۴۴.

[3] البخاری، **الجامع الصحیح**، حدیث: ۴۹۰۵.

[4] علی بن عمر بن احمد الدار قطنی، **السنن** (بیروت: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۲۴ھ)، حدیث: ۹۴۷.

[5] البخاری، **الجامع الصحیح**، حدیث: ۴۲۹۲.

[6] الترمذی، **السنن**، حدیث: ۷۶۹.

لہٰذا ایسے امور اختیاری ہیں ان میں فعل پر عمل واجب ہے نہ ترک پر۔ البتہ مشروط معاملات میں عمل واجب ہے اور یہی اتحاد امت مسلمہ کا تقاضا ہے۔

شرط چہارم: اس کام سے کوئی چیز مانع نہ ہو، جب آپ ﷺ نے کوئی کام ترک کر دیا ہو جبکہ اس کام کو کرنے کا تقاضا کرنے والے امور بھی موجود ہوں، اس کا ترک کلی طور پر ہو، اس کو ترک کرنے کا قصد بھی کیا گیا ہو، اس کام سے کوئی مانع چیز بھی نہ ہو تو اس ترک کی اتباع واجب ہو گی جیسا کہ پچھلی مثالوں میں بیان کر دیا گیا ہے۔ اگر عہد رسالت میں کوئی مانع موجود تھا جس کی وجہ سے آپ نے اس فعل کو ترک کیا تو اس صورت میں اس فعل کا شمار السنۃ الترکیۃ میں نہ ہو گا یعنی اس پر عمل کرنا ضروری نہ ہو گا۔ جیسے قرآن مجید کو کتابی شکل میں جمع کرنے کو ترک کرنا۔ کیونکہ قرآن مجید مسلسل اور متفرق طور پر نازل ہوتا رہا۔ مانع موجود تھا اس لیے اس کو ترک کیا لہٰذا یہ السنۃ الترکیۃ نہیں ہے۔ اکثر بڑی سورتیں متفرق طور پر تھوڑی تھوڑی کرکے نازل ہوئی ہیں۔ بعض آیات بھی ایسی ہیں جو ایک دفعہ نازل نہیں ہوئیں بلکہ متفرق طور پر نازل ہوئی ہیں۔ جیسے آیت کا جزء 'غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ' ایک مرتبہ نازل ہوا اور یہ اس آیت کا جزو ہے:

"لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ وَفَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا"[1]

اس مانع کے موجود ہونے کی وجہ سے نبی ﷺ نے جمع القرآن کو ترک کیا۔ اسی طرح آپ ﷺ کا نو محرم کے روزے کو ترک کرنا، اس دن کے روزے سے آپ ﷺ کے وصال کے علاوہ اور کوئی چیز مانع نہیں تھی۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز تراویح باجماعت ادا کرنا ترک کر دی تھی اس ڈر سے کہ کہیں امت پر فرض نہ ہو جائے۔[2] تو اس میں فرض ہونا ایک مانع تھا جس کی وجہ سے آپ ﷺ نے نماز تراویح کو باجماعت ادا کرنا ترک کر دیا تھا۔ یہ مانع رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد زائل ہو گیا اور نماز تراویح کو باجماعت ادا کیا جانے لگا۔ لہٰذا اس مسئلے میں رسول اللہ ﷺ کے اس ترک کو دلیل بنا کر نماز تراویح باجماعت ادا کرنے کو ناجائز کہنا درست نہ ہو گا کیونکہ عہد رسالت میں مانع کے پائے جانے کی وجہ سے یہ ترک السنۃ الترکیۃ میں شامل نہیں ہے۔ عمل کی مشروعیت بھی رسول ﷺ کے عمل سے ثابت ہو گی اور اس پر متفق ہونا امت مسلمہ پر فرض ہے اور یہی اتحاد امت مسلمہ کا تقاضا بھی ہے۔

شرط پنجم: جواز کی دلیل نہ ہو، اگر اس کام کے جواز پر کوئی شرعی دلیل موجود ہو تو اتباع کے وجوب میں پچھلی چار شرطوں کا کوئی اعتبار نہیں ہو گا بلکہ اس کام کا کرنا جائز ہو گا۔ جیسا کہ آپ ﷺ کا رمضان میں عمرہ کو ترک کرنا جبکہ آپ ﷺ نے خود ہی رمضان میں عمرہ کی فضیلت بیان کرکے اس کی ترغیب دلائی ہے:

---

[1] النساء: ۹۵.

[2] البخاری، **الجامع الصحیح**، حدیث: ۹۲۴.

"فَإِذَا كَانَ رَمَضَانُ اعْتَمِرِي فِيهِ فَإِنَّ عُمْرَةً فِي رَمَضَانَ حَجَّةٌ أَوْ نَحْوًا مِمَّا قَالَ"[1]

"جب رمضان کا مہینہ آئے تو اس مہینہ میں عمرہ کرلے اس لیے کہ رمضان میں عمرہ کرنا ایک حج کے برابر ہے یا اسی کے مثل کچھ فرمایا"

تو رمضان المبارک میں عمرہ کرنا جائز ہوگا۔ اسی طرح آپ ﷺ کا اذان کہنے کو ترک کرنا جبکہ آپ ﷺ نے خود ہی اذان کہنے والوں کی فضیلت کو بیان کیا:

"الْمُؤَذِّنُونَ أَطْوَلُ النَّاسِ أَعْنَاقًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ"[2]

"قیامت کے روز سب سے زیادہ لمبی (اور عزت کی وجہ سے) اونچی گردن والے مؤذنین ہوں گے"

لہٰذا اذان دینا باعث ثواب وفضیلت ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کا "ضب" کے کھانے کو ترک کرنا اور خود اس کے کھانے کو برقرار بھی رکھنا۔[3] اس کے علاوہ بھی آپ ﷺ کے تروک ہیں جن کاموں کو کرنے کے جواز پر دلائل بھی موجود ہیں۔ بنیادی شرط یہ ہے کہ ترک امت کو بتانے کے لیے ہو جیسا کہ ہر نماز کے لیے وضو نہ کرنا، جیسا کہ حدیث میں ہے:

"كُنَّا نُصَلِّي الصَّلَوَاتِ كُلَّهَا بِوُضُوءٍ وَاحِدٍ مَا لَمْ نُحْدِثْ"[4]

"ہم کئی نمازیں ایک ہی وضو سے پڑھ لیا کرتے تھے جب تک کہ ہم بے وضو نہ ہو جائیں"

اگر یہ ترک امت کو بتانے کے لیے نہ ہو تو اس کو سنت نہیں کہا جائے گا۔ لہٰذا امت کو جو بھی ترک کا حکم دیا گیا اس پر ترک اختیار کرنا ہی امت پر واجب ہے خواہ رسول اللہ ﷺ نے اختیار کیا یا نہیں۔

چھٹی شرط: فعل کا تعلق جبلی اور عادی افعال سے نہ ہو بلکہ اس کا تعلق عبادات سے ہو، مثلاً کھانا، پینا، سونا اور جاگنا وغیرہ آپ ﷺ اور آپ کی امت کے لیے مباح ہیں اور یہ السنة التركية میں شامل نہیں ہیں۔[5] بیان کردہ تمام امور کا تعلق رسول اللہ ﷺ کے نجی معاملات سے نہ تھا بلکہ ان میں ترک اور وجوب کا حکم صرف اور صرف امت مسلمہ کے مشترکہ مفادات کے پیش نظر لگایا گیا۔ لہٰذا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سنت پر عمل امت مسلمہ میں اتحاد واتفاق قائم رکھنے کے لیے کس قدر ضروری ہے؟

بیان کردہ ابحاث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے کچھ افعال عبادات کی غرض سے انجام دیے اور کچھ افعال بشری عادات کے تقاضا کی رو سے آپ ﷺ سے سرزد ہوئے ہیں اور کچھ اعمال ایسے تھے جن کے اختیار کے بعد آپ ﷺ نے انہیں ترک کردیا اور کبھی ایسا بھی ہوا کہ پہلے کیا جانے والا عمل منسوخ قرار دیتے ہوئے بعد والے پر عمل کی ترغیب دلائی گئی یعنی ایک عمل کو دوسرے سے بدل دیا۔ ان

---

[1] البخاری، **الجامع الصحیح**، حدیث: ۱۷۸۲.

[2] مسلم، **الصحیح**، حدیث: ۳۸۷.

[3] البخاری، **الجامع الصحیح**، حدیث: ۵۵۳۶.

[4] الترمذی، **السنن**، حدیث: ۶۰.

[5] سعید بن ناصر الغامدی، **حقیقۃ البدعۃ وأحکامھا** (الریاض: مکتبہ الرشد، س ن)، ۲: ۴۴.

سب میں امت مسلمہ کے لیے یہی لازم ہے کہ وہ السنة الترکیة پر عمل کو حجت جانیں اور آپ ﷺ کے ترک کردہ اعمال کو ترک کردیں اور آپ ﷺ نے جن اعمال کو جس طریقہ سے اختیار کیا ان طرق پر من و عن عمل کریں۔

السنة الترکیة بھی اسی طرح حجت ہے جس طرح سنت فعلیہ حجت ہے۔ حضور ﷺ کی زندگی امت مسلمہ کے لیے اسوہ حسنہ ہے خواہ کوئی مسلمان زندگی کے کسی بھی شعبہ سے وابستہ ہو۔ لہٰذا امت مسلمہ جو کہ آج کے دور میں انتشار اور فرقوں کی زد میں آچکی ہے اس کی تجدید نو کے لیے یہ لازم ہے کہ سیرت مصطفیٰ ﷺ کا عمیق نظر سے مطالعہ کیا جائے اور نبی ﷺ کی زندگی کے ہر ہر پہلو سے آج کے مسائل کو مد نظر رکھتے ہوئے راہنمائی لی جائے۔ کیونکہ سنت کے محفوظ رہنے کا اعجاز اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ سنت کو ہر دور میں مقدم رکھتے ہوئے لاگو کیا جائے تاکہ امت مسلمہ میں اتحاد و اتفاق اور اخوت و یگانگت قائم رہ سکے۔ اتحاد امت مسلمہ میں السنۃ الترکیۃ کے کردار کے سے حوالے سے کچھ مثالیں درج ذیل ہیں:

توحید ربوبیت سے متعلقہ بدعات:

آخرت کی یاد سے دنیوی زندگی کی بے ثباتی اور ناپائیداری کا احساس ہوتا ہے اور آخرت کی حقیقی زندگی کے لیے حسن عمل کا جذبہ اور رغبت پیدا ہوتی ہے۔ یاد آخرت کا اہم ذریعہ زیارت قبور ہے۔ شہر خاموشاں میں جا کر ہی بدرجۂ اتم یہ احساس ہوتا ہے کہ موت کتنی بڑی حقیقت ہے؟ جس کا مزہ ہر شخص چکھے گا۔ ابتدائے آفرینش سے آج تک یہ سلسلہ جاری ہے اور تا قیامت جاری رہے گا۔ جلیل القدر انبیاء مبعوث ہوئے اور باری باری موت کا مزہ چکھتے رہے۔ اسی طرح بزعم خویش خدائی کا دعویٰ کرنے والے بھی آئے، دارا و سکندر جیسے بادشاہ بھی گزرے لیکن موت کی آہنی گرفت سے کوئی بھی بچ نہ سکا۔ اگر اتنے نامور لوگوں کو بھی موت نے نہ چھوڑا تو ہم اس کے تصرف سے کیسے بچ سکتے ہیں؟ موت کی یاد تازہ کرنے کے لیے قبروں کی زیارت کرنا تو درست ہے لیکن مدفون سے جا کر مدد مانگنا وغیرہ یا ایسے اعمال جو شرک کے درجے کو پہنچ جاتے ہیں بایں طور پر کہ نبی ﷺ نے ان کی تعلیم نہیں دی، السنۃ الترکیۃ مذکورہ افعال کی تردید کرتی ہے۔ آپ ﷺ نے امت کو یہ تعلیم دی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی حقیقی معبود ہے چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے کہا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ اور اس نے غیر اللہ کی عبادت کا انکار کیا تو اس کی جان و مال کی حفاظت اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔[1] چنانچہ آیت کریمہ:

"ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ هُوَ الْبَاطِلُ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ"[2]

"یہ اس لیے کہ اللہ ہی حق ہے اور یہ لوگ اسے چھوڑ کر جن چیزوں کی عبادت کرتے ہیں وہ سب باطل ہیں اور اللہ ہی وہ ہے جس کی شان بھی اونچی ہے رتبہ بھی بڑا"

اسی مفہوم پر دلالت کرتی ہے۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ اس سلسلہ میں آگاہی پیدا کی جائے اور امت مسلمہ کے کم علم طبقات کو

[1] مسلم، الصحیح، حدیث: ۲۳.

[2] الحج: ۶۲.

شرک اور اس کی اقسام سے روشناس کرایا جائے نیز دعوت و تبلیغ کے لیے عمدہ انداز اپنایا جائے اور حتی الامکان اتحاد امت مسلمہ کی راہ ہموار کی جائے۔

توحید الوہیت سے متعلقہ بدعات:

معرفت خالق قرآن کریم کی آیات کی روشنی میں واجب ہے۔[1] نظر عقلی اور ایسا استدلال جو خالق کی معرفت تک پہنچادے یہ مکلّف پر پہلا واجب ہے۔ یہ قول ابن فورک کا ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ یہ نظر درحقیقت حصول واجب کے لیے مقدمہ ہوتی ہے جو کہ مفکر کو خالق کی معرفت تک پہنچا دیتی ہے۔ ابو بکر بن الطیب اور ابو اسحاق اسفرائینی کی رائے ہے کہ غور و فکر اور تدبر کا مقصد و ارادہ واجبات میں سے ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ نظر و فکر کی کئی اقسام ہوتی ہیں جو کہ ایک دوسرے سے مرتب ہوتی ہیں۔[2] ایک جماعت کا کہنا ہے کہ پہلا واجب ایسا شک ہے جو کسی بحث اور غور و فکر پر مبنی ہو جو کہ معرفت و یقین تک رسائی مہیا کرے۔[3]

السنة التركية مذکورہ اقوال کی تردید کرتی ہے جو کہ بدعت محدثہ کا نتیجہ ہے بایں طور کہ نبی ﷺ نے ضرورت کے باوجود ان کو ترک کر دیا تھا جبکہ کسی قسم کا کوئی مانع بھی نہیں تھا۔ سنت قولیہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ پہلا واجب مکلّف پر کلمہ شہادت ہے۔[4] جیسا کہ آپ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو ہدایت کی تھی جب ان کو یمن کی طرف روانہ کیا تھا کہ آپ ایک ایسی قوم کی طرف جا رہے ہیں جو اہل کتاب ہیں سب سے پہلے ان کو کلمہ توحید کی طرف بلانا کہ وہ اس بات کا اقرار کریں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے اور حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔[5] امت مسلمہ کے اتحاد کی بنیاد توحید باری تعالیٰ ہے اور بلاشبہ اس پر تکیہ کرنے سے ہی اتحاد امت مسلمہ قائم ہوگا۔ لہٰذا دقیق مسائل میں الجھنے سے عوام الناس کو بچایا جائے اور عمل کی ترغیب دلاتے ہوئے اتحاد قائم کرنے کا اہتمام کیا جائے۔

توحید الاسماء والصفات سے متعلقہ بدعات:

اس بات پر سلف کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو ثابت کیا جائے گا اور ان کو ان کے معنی سے نہیں پھیرا جائے گا۔ جیسا کہ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو مخلوق والی صفات کے ساتھ متصف نہیں کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا غصہ اور اس کی خوشنودی، اس کی صفات میں سے دو صفات ہیں جن کی کیفیت بیان نہیں کی جائے گی۔ یہ اہل سنت والجماعت کا قول ہے: اللہ تعالیٰ غصے ہوتا ہے اور راضی

---

[1] محمد بن عبد الرحمان الخمیس، **شرح الرسالة التدمرية** (دمشق: دار اطلس الخضراء، ۱۴۲۵ھ)، ۴۴۳.

[2] عبد الرحمان بن صالح المحمود، **موقف ابن تیمیة من الأشاعرة** (الریاض: مکتبہ الرشد، ۱۴۱۵ھ)، ۳: ۱۳۴؛ محمد بن عبد الرحمان الخمیس، **شرح الرسالة التدمرية**، ۴۴۴.

[3] أیضاً.

[4] عبد الرحمان بن صالح المحمود، **موقف ابن تیمیة من الأشاعرة**، ۳: ۱۳۴.

[5] مسلم، **الصحیح**، حدیث: ۱۹.

ہوتا ہے لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کے غصہ سے اس کی سزا مراد ہے اور اس کی رضا سے اس کا ثواب مراد ہے بلکہ ہم اسی طرح اس کا وصف بیان کریں گے جس طرح اس نے خود اپنا وصف بیان کیا ہے۔ وہ اکیلا و بے نیاز ہے نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ ہی وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ ہی کوئی ایک اس کی ہمسری کرنے والا ہے۔ وہ زندہ و قائم رہنے اور قائم رکھنے والا ہے۔ ہر چیز پر قادر سب کچھ سننے والا، دیکھنے والا ہے، سب کچھ جاننے والا ہے۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ کے اوپر ہے، اس کا ہاتھ اس کی مخلوق میں سے کسی کے ہاتھ جیسا نہیں ہے اور نہ ہی وہ عضو ہے، وہی ہاتھوں کا خالق ہے، اس کا چہرہ اس کی مخلوق کے چہروں کی طرح نہیں ہے اور وہی تمام چہروں کا خالق ہے، اس کا نفس اس کی مخلوق کے نفوس کی طرح نہیں ہے اور وہی تمام نفوس کا خالق ہے۔[1] جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

"لَيْسَ كمثله شَيْء وَهُوَ السَّمِيع الْبَصِير"[2]

"اس جیسی کوئی چیز نہیں ہے اور وہی سب کچھ سننے والا دیکھنے والا ہے"

اللہ تعالیٰ کا ہاتھ اور چہرہ ہے، اس لیے جو بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ذکر کیا ہے جیسا کہ ہاتھ، چہرہ وغیرہ یہ سب اس کی صفات ہیں لیکن بغیر کیفیت کے ہیں اور یہ بھی نہیں کہا جائے گا کہ اس کے ہاتھ سے مراد اس کی قدرت یا اس کی نعمت ہے کیونکہ اس میں ایک صفت کو باطل کرنا لازم آتا ہے اور یہ قول قدریہ اور معتزلہ وغیرہ کا ہے لیکن اس کا ہاتھ اس کی صفت ہے جس کی کیفیت معلوم نہیں ہے۔ اسی طرح اس کا غصہ اور اس کی رضا بھی اس کی صفات میں سے دو صفتیں ہیں لیکن ان کی بھی کیفیت بیان نہیں کی جائے گی۔[3] السنۃ الترکیۃ اللہ تعالیٰ کی صفات میں تاویل کے بطلان پر دلالت کرتی ہے کیونکہ اس کا تقاضا کرنے والے امور کے ہونے اور کسی مانع کے نہ ہونے کے باوجود نبی ﷺ نے اس قسم کی تاویلات کو استعمال نہیں کیا۔

قولی عبادات سے متعلقہ بدعات:

امام شاطبیؒ کی رائے ہے کہ بذات خود ترک میں بھی بدعت کا عمل واقع ہوا ہے جیسا کہ کسی چھوڑی ہوئی چیز کو حرام قرار دے کر یا حرام قرار نہ دے کر، مثال کے طور پر کوئی فعل شرعی طور پر حلال ہوتا ہے لیکن انسان اسے اپنے آپ پر حرام قرار دے دیتا ہے یا اس کو ترک کر دینے کا قصد کر لیتا ہے۔ مثلاً شادی کرنے کو خود پر حرام کرنا یا قسم کھانا کہ میں فلاں کھانا نہیں کھاؤں گا یا کسی منت کی غرض سے کسی حلال کام سے رک جانا یہ سب بدعات امت مسلمہ میں عام ہوتی جارہی ہیں لہٰذا ان سے متعلق آگاہی پیدا کرنے کی اشد ضرورت ہے تاکہ بدعات کے مفاسد سے امت کو بچایا جاسکے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ امت مسلمہ کو یہ باور کرایا جائے کہ دین کی تکمیل رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی تکمیل کے ساتھ ہی ہو چکی ہے۔ اب ہمیں اس بات کی قطعاً نہ تو ضرورت ہے اور نہ ہی اجازت ہے کہ ہم دین میں کسی اضافے کا باعث بنیں بلکہ ایسا فعل جو بظاہر

---

[1] محمد بن عبد الرحمان الخمیس، **الفقہ الأبسط** (الامارات العربیہ: مکتبہ الفرقان، ۱۴۱۹ھ)، ۱۶۱۔

[2] الشوری: ۱۱۔

[3] محمد بن عبد الرحمان الخمیس، **الفقہ الأکبر**، ۲۷۔

ہمیں بھلائی والا اور خوشنما لگتا ہے لیکن دراصل یہ وہ فتنہ ہے جو ہم میں باہمی پھوٹ پیدا کردے گا اور انسان کی فطری انا اور ضد آڑے آئے گی جس کے باعث ہر کوئی اپنی الگ نیکی ایجاد کرلے گا۔

مالی عبادات سے متعلقہ بدعات:

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ جنازے کے ساتھ صدقہ نکالنا ایک مکروہ بدعت ہے۔ یہ قبر کے پاس ذبح کرنے کے ہی مشابہ ہے اور عبادات میں سے کوئی بھی چیز قبور کے پاس مشروع نہیں ہے۔ نہ صدقہ اور نہ ہی اس کے علاوہ کوئی اور چیز۔[1] ضرورت اس امر کی ہے کہ اس قسم کی تمام بدعات[2] کا قلع قمع کیا جائے اور عوام الناس تک دین کی اصل پہنچانے کا بیڑا اٹھایا جائے اور اصلاح کو لازم ٹھہرایا جائے۔السنة التركية اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مذکورہ صدقات غیر مشروع ہیں کیونکہ ان کا تقاضا کرنے والے امور کے موجود ہونے اور موانع کے نہ ہونے کے باوجود نبی ﷺ نے ان صدقات کا حکم نہیں دیا۔

طہارت و پاکیزگی سے متعلقہ بدعات:

وسوسہ کرنے والے افراد کا صرف ہوا خارج ہونے پر استنجاء کرنا، استنجاء میں بہت زیادہ کثرت سے پانی استعمال کرنا بھی وسوسہ اور بدعت ہے۔ یہ عقیدہ رکھنا کہ پانی کی موجودگی میں پتھروں یا ڈھیلوں سے استنجاء کرنے والے کی نماز باطل ہے وغیرہ۔[3]

السنة التركية اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جو مثالیں بیان کی گئی ہیں یہ سب بدعات ہیں کیونکہ نبی ﷺ نے ان کے ممکن ہونے اور مانع نہ ہونے کے باوجود ان کو نہیں کیا۔ ابن القیمؒ نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا یہ تمام وسوسے اور بدعتیں ہیں۔اسی طرح ان سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ اگر یہ سنت ہوتیں تو تمام لوگوں سے زیادہ رسول اللہ ﷺ اس بات کے حق دار تھے کہ وہ ان پر عمل کرتے۔[4]

دینِ اسلام اسراف سے منع کرتے ہوئے انہیں بدعت قرار دیتا ہے اور یہی السنة التركيہ کا وہ پہلو ہے جو طہارت و پاکیزگی میں مروج غیر شرعی امور کی ممانعت پر دلالت کرتا ہے۔

---

[1] احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ، **الفتاوی الکبری** (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۸ھ)، ۵: ۳۶۲.

[2] میت کی چارپائی کے نیچے چند کلو گندم رکھ دی جاتی ہے جو میت کی طرف سے صدقہ کے مترادف خیال کی جاتی ہے اور میت کو دفنانے کے ساتھ ہی اس کی طرف سے خیرات کی جاتی ہے یا قبروں پر چراغاں کرنا، شرعاً ان امور کا کوئی ثبوت نہیں۔اسی طرح قبر پر دالیں اور چاول بکھیرنا اور پانی کی کٹوریاں بھر کے رکھنا وغیرہ تاکہ اس رزق میں سے جو کوئی پرندہ یا جانور کھائے تو میت کو اس کا ثواب پہنچے گا، یہ سب امور خلافِ شرع ہیں۔(مصنف)

[3] محمد بن احمد عبد السلام الشقیری، **السنن والمبتدعات المتعلقة بالأذكار والصلوات** (بیروت: دار الفکر، س ن)، ۲۲.

اکثر لوگ جب پانی کا نل کھولتے ہیں تو بند کرنا گویا بھول ہی جاتے ہیں۔آج کل بالخصوص ایسے نل مستعمل ہیں جن سے بیک وقت کئی کئی لیٹر پانی خارج ہو جاتا ہے جس کا ادراک وشعور پانی استعمال کرنے والے کو نہیں ہوتا بلکہ یہ اس کے لیے حصول لذت کا سبب ہوتا ہے۔

[4] محمد بن ابو بکر ابن القیم الجوزیہ، **اغاثة اللهفان من مصايد الشيطان** (الریاض: مکتبہ المعارف، س ن)، ۱: ۱۴۴.

نماز سے متعلقہ بدعات:

قصة الرهط[1] میں یہ بات واضح ہے کہ جن لوگوں نے نبی ﷺ کی عبادت کے بارے میں سوال کیا اور جب انہیں اس کی خبر دی گئی تو انہوں نے اس کو بہت کم جانا اور کہا: ہم تو نبی ﷺ کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہیں جبکہ آپ ﷺ کے تو اللہ تعالیٰ نے اگلے پچھلے سارے گناہ بخش دیے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

> ''اللہ کی قسم! میں اللہ تعالیٰ سے تمہاری نسبت بہت زیادہ ڈرنے والا اور خوف کھانے والا ہوں، پھر روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، نماز پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور ساتھ ساتھ عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں یاد رکھو! جو میری سنت سے روگردانی کرے گا وہ میرے طریقے پر نہیں''[2]

لہٰذا وہ لوگ جو نبی ﷺ کے حق میں بعض اعمال کو ماننے اور بعض سے روگردانی کرنے والے ہیں اور ایسے امور کو ضروری خیال کرتے ہیں جو نبی ﷺ نے نہیں کیے اور اس کی طرح طرح کی تاویلات پیش کرتے ہیں انہیں اصلاح کی ضرورت ہے اور قوم کے مصلح افراد کو چاہیے کہ احسن انداز میں دین سے جڑے حساس معاملات کا حل پیش کریں۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ السنۃ الترکیۃ سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سفر میں نوافل غیر مشروع ہیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے سفر کیا تو فرمایا کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ رہا تو میں نے آپ ﷺ کو سفر میں نفل نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔[3] آپ ﷺ سفر میں دو رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ بھی اسی طرح کرتے تھے۔[4]

روزہ سے متعلقہ بدعات:

روزے سے متعلقہ بدعات میں سے ایک بدعت یہ ہے کہ سال کے پہلے اور آخری دن روزہ رکھنا۔[5] عاشوراء کے دن کا روزہ صبح سے عصر تک مستحب ہے نہ کہ مغرب تک، اٹھارہ ذوالحجہ کا روزہ سنت مؤکدہ ہے اور یہی وہ دن ہے جس کے بارے میں گمان ہے کہ یہ غدیر خم[6] کا دن ہے۔ نیز شک والے دن رمضان کے روزے کی نیت کرکے روزہ رکھ لینا، قرآن ختم ہونے کے دن روزہ رکھنا وغیرہ۔[7]

---

[1] تین سے دس تک کی جماعت کو رھط کہا جاتا ہے۔ یہ علی بن ابو طالب، عبداللہ بن عمرو بن عاص اور عثمان بن مظعون رضی اللہ عنھم تھے۔

[2] البخاری، **الجامع الصحیح**، حدیث: ۵۰۶۳۔

[3] ایضاً، حدیث: ۱۱۰۱۔

[4] ایضاً، حدیث: ۱۱۰۲۔

[5] محمد بن احمد الشقیری، **السنن والمبتدعات المتعلقۃ بالأذکار والصلوات**، ۱۶۷۔

[6] حجۃ الوداع سے واپسی پر ۱۸ ذوالحجہ کو نبی کریم ﷺ نے ایک چشمے پر رک کر، جس کا نام غَدیر خُم تھا، ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کے فرمایا: من كنت مولاه فعلي مولاه۔ اس واقعے کے لیے غَدیر خُم کا نام مشہور ہو گیا۔

[7] رائد بن صبری، **معجم البدع** (الریاض: دار العاصمہ للنشر والتوزیع، س ن)، ۳۶۰۔

السنة الترکیة اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مذکورہ ایام میں روزہ رکھنا بدعت ہے۔ ایسے روزوں کے ممکن ہونے اور کسی مانع کے نہ ہونے کے باوجود بھی نبی ﷺ نے یہ روزے نہیں رکھے۔ کوئی بھی عمل خواہ اس میں کتنی ہی خیر کیوں نہ ظاہر ہو رہی ہو وہ دین کا حصہ قرار نہیں دیا جا سکتا جب تک کہ اس کے بارے میں واضح نص موجود نہ ہو کیونکہ دین اسلام نے ساری خیر اور بھلائی سے انسان کو متعارف کرادیا ہے اور قرآن و حدیث میں خیر کے ہر فعل کی تصریح موجود ہے۔ اب جو اضافے ہیں وہ بدعات ہیں جن کی دین میں کوئی گنجائش نہیں ہے اور ان سے بچ جانا ہی دین پر عمل کی دلیل ہے اور اسی نقطہ پر قائم رہنے سے ہم دنیا و آخرت میں دین کے پیروکاروں میں شامل ہوں گے۔ لہٰذا دین کی مستند تعلیمات پر عمل ہی اتحاد امت مسلمہ کا ضامن ہے۔

حج سے متعلقہ بدعات:

حج سے متعلقہ بدعات میں سے ایک بدعت الفاظ کے ساتھ نیت کرنا ہے۔[1] بغیر زاد راہ کے حج کا سفر کرنا تاکہ توکل کے دعوے کو درست ثابت کیا جا سکے۔ عورتوں کا بغیر محرم کے قابل اعتماد عورتوں کے گروپوں کے ساتھ سفر حج کرنا اور یہ اسی طرح ہی ہے کہ ان میں سے کسی ایک کے ساتھ محرم ہو اور وہ یہ گمان کریں کہ یہ ان سب کا محرم ہے۔[2] السنة الترکیة اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مذکورہ افعال بدعات ہیں کیونکہ ان کا تقاضا کرنے والے امور کے ہونے اور کسی مانع کے نہ ہونے کے باوجود نبی ﷺ نے ان کاموں کو نہیں کیا اور نہ ہی حکم دیا۔

یہ بات واضح ہے کہ بدعت کا فعل شیطان کی طرف سے انسان کے لیے پر کشش بنا کر پیش کیا جاتا ہے اور وہ اسے اس قدر نیکی گردانتا ہے کہ جو (نعوذ باللہ) اس کی نجات کا باعث بن سکے۔ اس خام خیالی کے نتیجے میں اسے اس بات کا احساس قطعاً نہیں ہوتا کہ اس فعل کا کرنا عین نیکی ہوتا تو اسے سنت کا درجہ حاصل کیوں نہ ہوتا؟ اسی فعل کو امام ابن جوزی نے تلبیس ابلیس کا نام دیا ہے۔ ان بدعات کا ترک بہت ضروری ہے تاکہ دین کو ملاوٹ سے محفوظ کیا جا سکے۔ اسی میں امت مسلمہ کا اتحاد پنہاں ہے اور یہی عین اسلام ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ دور حاضر میں امت مسلمہ میں کس پہلو کے لحاظ سے اصلاح کی ضرورت سب سے زیادہ ہے؟ تو یقیناً علماء کا اس پر اجماع ہوگا کہ لایعنی باتوں، غلو فی الدین اور بدعات سے جہاد وقت کی عین ضرورت اور بقاء اتحاد امت مسلمہ کی ضمانت ہے۔

قرآن سے متعلقہ بدعات:

ابن الجوزی کے بقول قراء کرام پر تلبیس کا ذکر، ان میں سے ایک یہ ہے کہ ان میں سے کوئی شاذ قراءتوں اور ان کی تحصیل کے ساتھ مشغول ہوتا ہے تو وہ اپنی عمر کا اکثر حصہ ان کو جمع کرنے، ان کو تصنیف کرنے اور ان کے پڑھانے میں فنا کر دیتا ہے اور یہ چیز اسے فرائض و واجبات سے دور کر دیتی ہے۔ کچھ ائمہ مساجد پڑھانے کے در پے ہوئے رہتے ہیں اور نماز کے مفاسد تک کے بارے میں نہیں جانتے اور کبھی تو انہیں آگے بڑھنے کی محبت اس حد تک ابھارتی ہے کہ وہ یہ بھی نہیں دیکھتے کہ انہیں علماء کے سامنے بیٹھ کر علم حاصل

---

[1] محمد ناصر الدین الالبانی، **مناسک الحج والعمرۃ** (الریاض: مکتبہ المعارف، س ن)، ۴۷.

[2] ایضاً، ۴۶.

کرنا چاہیے۔ اگر وہ غور وفکر کرتے تو وہ جان لیتے کہ قرآن کو حفظ کرنے اور اس کے الفاظ کی ادائیگی کو سیکھنے کے ساتھ اس کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا اور ان امور کی طرف متوجہ ہونا اصل مقصد تھا جن کے ذریعے نفس کی اصلاح اور اخلاق کی تطہیر کی جاسکے اور پھر شریعت کے اہم علوم کے ساتھ مشغول ہوا جاسکے۔ امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ قرآن اس لیے نازل کیا گیا ہے تاکہ اس پر عمل کیا جائے جبکہ لوگوں نے اس کی تلاوت کو ہی عمل بنالیا یعنی انہوں نے صرف تلاوت پر اقتصار کرکے عمل کو ترک کردیا۔[1] السنۃ الترکیۃ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت سے متعلق مذکورہ بالا مثالیں نئی ایجاد کردہ بدعات ہیں کیونکہ نبی ﷺ نے ان کو ترک کردیا جبکہ یہ سب ممکن بھی تھیں اور کوئی مانع بھی نہیں تھا۔[2]

اس قسم کی امور نے دین پر عمل کی راہوں کو مسدود کرکے رکھ دیا ہے اور جن کی زندگیاں دین کی عکاس ہونی تھیں، جن کے اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے اور گفتگو نیز معاملات کی نوعیت سے دین کی اصل تصویر ظاہر ہونی تھی، وہی ان بدعات میں پڑ گئے اور دین کی اصل روح سے دور ہٹ گئے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ قرون اولی سے بتدریج دین کا فہم تاریخی اعتبار سے حاصل کیا جائے اور عوام الناس کو سکھلایا جائے کہ دین پر عمل کس قدر آسان ہے تاکہ موجودہ خرابیوں کو رفع کیا جاسکے اور بدعات سے پہنچنے والے نقصانات کا قلع قمع کیا جاسکے۔ یہی اتحاد امت مسلمہ کا ضامن اور باعث نجات ہے۔

معاملات وعادات سے متعلقہ بدعات:

معاملات وعادات میں بدعت کا دخل صرف اسی صورت میں ہی ہوگا کہ جب ان کو عبادت کے طور پر کیا جارہا ہو یا ان سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا مقصود ہو۔ مثال کے طور پر گوشت کھانا چھوڑ دینا ایک عام اور جائز کام ہے لیکن یہ اس صورت میں بدعت بن جائے گا جب اس کو چھوڑنے والا اس کو بطور عبادت چھوڑے یا یہ خیال کرے کہ اسے چھوڑنا اللہ کے قرب کا باعث ہے۔ اسی طرح اس کی دوسری مثال کہ کوئی بندہ اونی کپڑے پہننا چھوڑ دے تو یہ ایک عام اور جائز کام ہے لیکن یہ اس صورت میں بدعت ہوگا کہ جب اس کو چھوڑنے والا اس کے ترک کرنے کو عبادت سمجھے یا اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ سمجھے۔

اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں نبی ﷺ نے ایک آدمی کو دھوپ میں کھڑا دیکھا تو اس کے بارے میں پوچھا تو لوگوں نے بتایا کہ اس کا نام ابو اسرائیل ہے اس نے نذر مانی ہے کہ یہ کھڑا رہے گا اور بیٹھے گا نہیں نہ ہی سایہ حاصل کرے گا اور نہ ہی کلام کرے گا اور مستقل روزہ رکھے گا تو نبی ﷺ نے فرمایا: اس کو کہو کہ یہ کلام کرے، سایہ حاصل کرے، بیٹھ جائے اور اپنے روزے کو پورا کرے۔[3] نبی ﷺ نے اسے ان امور سے منع کردیا جو درحقیقت عام امور ہی تھے لیکن ان کو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے کرنا بدعت تھا جبکہ ان امور کی کوئی اصل نہیں تھی۔ آپ ﷺ نے اسے صرف روزہ پورا کرنے کا حکم دیا کیونکہ روزہ ایک مشروع

---

[1] عبدالرحمان بن علی بن محمد الجوزی، **تلبیس ابلیس** (بیروت: دار الفکر للطباعۃ والنشر، ۱۴۲۱ھ)، ۱۰۱.

[2] اس قسم کی مشغولیات خلافِ شرع ہیں جن کے دام فریب میں نہ صرف عوام الناس بلکہ علمائے دین بھی آجاتے ہیں۔

[3] البخاری، **الجامع الصحیح**، حدیث: ۶۷۰۴.

عبادت ہے۔ائمہ وفقہاء رحمھم اللہ نے ان اعمال کو بدعت کہا جو اصل میں عمومی کام تھے لیکن ان امور کو کرنے والے کا مقصد اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا یا ان امور کو بطور عبادت کرنا تھا جبکہ ان امور کو اللہ تعالیٰ نے مشروع قرار نہیں دیا۔خرید وفروخت کے وقت نبی ﷺ پر درود پڑھنا، مثال کے طور پر دکاندار کہے میں یہ لوبیا بیچتا ہوں اور رسول ﷺ پر درود وسلام ہو یا مسجد میں خرید وفروخت کرنا۔جب کسی کے پاس کوئی ناپسندیدہ جانور ہوتا ہے اور وہ اسے بازار میں بیچنا چاہتا ہے تو وہ اسے گھر سے نکلتے وقت کسی چمچے کے ساتھ مارتا ہے اس سے یہ گمان کرتا ہے کہ یہ جانور اب واپس نہیں لوٹے گا، کچھ لوگ اس کے پیچھے شیشے کا پیالہ یا کوئی برتن یہ کہتے ہوئے توڑتے ہیں: تجھے اللہ واپس نہ لوٹائے۔[1]

السنة الترکیة اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جن مثالوں کو ذکر کیا گیا ہے وہ تمام بدعات ہیں کیونکہ ان اعمال کا تقاضا کرنے والے امور کے موجود ہونے اور کسی مانع کے نہ ہونے کے باوجود ان اعمال کو نبی ﷺ نے نہیں کیا۔سنت کے مطابق تھوڑا سا عمل کرلیں تو وہ بدعت کے کام میں بہت زیادہ مشقت اٹھانے سے بہتر ہے کیونکہ وہ غیر مشروع اور سنت کے خلاف ہے۔ ثواب صرف مشروع کام کرنے سے ملتا ہے۔ پھر ہر نیکی کا دس گنا ثواب ملتا ہے جبکہ بدعتی کا عمل رد کر دیا جاتا ہے اور اسے اس کا کوئی ثواب نہیں ملتا۔ یہ ایک ایسا غیر صالح عمل ہے جو نہ نفس کا تزکیہ کرتا ہے اور نہ ہی روح کا۔

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر امت مسلمہ کو ایک جہت پر لانا ہے تو اس کے لیے اتحاد کی راہ ہموار کرنی ہو گی اور اتحاد اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ ہر اس فعل کو ترک کر دیا جائے جس کے ہونے کی دلیل جناب رسول اللہ ﷺ کی حیات سے نہ ملے اور ہر اس فعل کو اپنا لیا جائے جس پر جناب رسول اللہ ﷺ کاربند ہوئے اور صحابہ وتابعین نے اسے محبوب جانا۔اگر اس طرز عمل کو طرز حیات بنا لیا گیا تو اتحاد امت مسلمہ یقینی ہے بلکہ اخوت ویگانگت کی عظیم فضا ہموار ہو جائے گی۔

زماں سے منسلک بدعات:

السنة الترکیة اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ زمان سے جڑی ہوئے اعمال جن کا شرع میں کوئی ثبوت نہیں اور نا ہی ان اعمال کا تقاضا موجود ہے، نیز نبی کریم ﷺ نے یہ اعمال نہیں کیے، تو ضروری ہے کہ ان کی اصلی حیثیت کو واضح کر دیا جائے اور عوام الناس میں آگاہی وشعور بیدار کیا جائے تاکہ اتمام حجت ہو جائے اور امت مسلمہ کو راہ راست کی ترغیب دلائی جائے۔[2]

---

[1] محمد بن الولید الطرطوشی، **الحوادث والبدع** (بیروت: دار ابن الجوزی، ۱۴۱۹ھ)، ۱۲۰۔

[2] مثال کے طور پر صفر کے مہینے سے نحوست پکڑنا، صلاۃ الرغائب (یہ نماز رجب کے مہینے میں جمعے کی رات عشاء کی نماز کے بعد پڑھی جاتی ہے۔) کی بدعت، شعبان کے مہینے میں صلاۃ الفیہ (یہ ایک نماز ہے جو نصف شعبان کی رات کو ادا کی جاتی ہے، اور اس کا نام الفیہ اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس میں قل ھو اللہ أحد ایک ہزار مرتبہ پڑھی جاتی ہے۔) کی بدعت، نماز مغرب کے بعد تراویح کی نماز پڑھنا، رمضان کے مہینے میں ختم قرآن کے موقع پر ایک ہی رکعت میں قرآن کے تمام سجدوں کے ساتھ قیام کرنا، آیات دعا کی تلاوت کرنا، ختم قرآن کی رات کی کچھ غیر ثابت امور سرانجام دینا۔الوداع

مکاں سے منسلک بدعات:

عوام جن مقامات کی تعظیم کرتے ہیں اور وہ اس کے لیے قلبی وابستگی مان کر شفاء اور اپنی حاجات کے پورا ہونے کی امید رکھتے ہیں۔ بالعموم یہ جگہیں چشموں، درختوں، دیواروں، طاقچوں اور ستونوں یا ان کے مشابہ چیزوں میں سے ہوتی ہیں جیسا کہ حدیث[1] میں ذات أنواط[2] کا تذکرہ ہوا ہے۔ اتحادِ امت کا تقاضا یہ ہے کہ شکوک میں ڈالنے والے اس قبیل کے تمام افعال کو ترک کر دیا جائے، نیز بغیر تحقیق کے نہ تو کسی قبر کو کسی مقدس شخصیت سے منسوب کیا جائے اور نہ ہی ان کی قبروں پر جا کر غیر شرعی اعمال بجالانے جائیں۔ کیونکہ مصیبت کو ٹالنے والے اعمال میں سے دعا، صدقہ خیرات اور رجوع الی الحق ہے لہٰذا اس کے علاوہ جو کوئی کسی غیر شرعی عمل کی جستجو کرے گا وہ دراصل ایمان میں کمزور ہے اور اسے اصلاح کی حاجت درکار ہے۔ امت مسلمہ کا اتحاد اس میں پنہاں ہے کہ لایعنی اعمال کو ترک کر دیا جائے تب ہی امت مسلمہ سلف صالحین کی مانند ایک صف میں جمع ہو سکتی ہے۔

امت مسلمہ میں اس شعور کو بیدار کرنے کی ضرورت ہے کہ دعاؤں کو قبول کرنے والی ذات ہماری نیتوں، ارادوں اور اعمال کو دیکھتی ہے۔ اسے اس کی قطعاً ضرورت نہیں کہ ہم حاجات کو رفع کرنے کے لیے کسی دنیاوی اسباب مثلاً قبور وغیرہ کی طرف رجوع کریں اور نہ ہی اسے ہمارے مال کی ضرورت ہے کہ کثرت صدقات کی نذر مانیں۔ ذات باری تعالیٰ تو بھٹکے ہوئے انسانوں کو راہ راست پر لانے کے لیے کبھی دعا میں تاخیر کرتی ہے لیکن جو کوئی خلوص دل سے حلال رزق اور اعمال کی درستگی کے ساتھ اللہ کریم سے حاجات طلب کرے گا تو وہ ناکام نہ ہوگا۔ خلوص نیت اور جہد مسلسل ہی وہ اسباب ہیں جن کی بدولت غیر مسلم بھی اپنے مطلوب حاصل کرتے ہیں۔ اتحاد امت مسلمہ کا تقاضا یہ ہے کہ عوام الناس کو اللہ کریم سے رجوع کی ترغیب دلائی جائے اور دین کے احکامات کو "من و عن" قبول کرتے ہوئے ان احکامات کو بجالایا جائے۔

چنانچہ کوئی امر فقط اس لیے مباح نہ ہوگا کہ وہ نیک عمل ہے اور اس کے کرنے کا مقصد بھی نیک ہے بلکہ عمل کے لیے ضروری ہے کہ وہ سنت سے ثابت شدہ ہو لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایسے عمل کی انجام دہی میں کوئی قباحت نہیں ہے جس کے کرنے میں مقصود خدا کا قرب ہو اور اس کے کرنے والے پر واضح ہو کہ یہ عمل دین کا حصہ نہیں بلکہ اس کی ذاتی نفلی عبادت ہے۔ لہٰذا السنة التركية بھی اسی طرح حجت ہے جس طرح سنت فعلیہ حجت ہے۔ حضور ﷺ کی زندگی امت مسلمہ کے لیے اسوہ حسنہ ہے خواہ کوئی مسلمان زندگی کے کسی بھی شعبہ سے وابستہ ہو۔

رمضان کی بدعت، شوال اور محرم میں شادی کرنے سے بدشگونی لینا، نیک لوگوں کے میلے لگانا، غدیر خم کی عید کی بدعت وغیرہ یہ تمام بدعات بلاوجہ دین کا حصہ بنادی گئی ہیں حالانکہ ان کی کوئی اصل نہیں ہے۔ (مصنف)

[1] ترمذی، **السنن**، حدیث: ۲۱۸۰.

[2] ذات أنواط: مشرکین کے ایک درخت کا نام ہے اور اس کا نام ذات أنواط اس لیے رکھا گیا ہے کیونکہ وہ اس پر اپنا اسلحہ لٹکاتے تھے.

نتائج بحث:

السنة الترکیۃ کے مطالعہ سے درج ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:

- نبی ﷺ کی مکمل اقتداء کی حقیقت یہ ہے کہ جو بھی کام کیا جائے وہ اس لیے کیا جائے کہ وہ کام نبی ﷺ نے کیا تھا اور جو کام ترک کیا جائے وہ اس لیے ترک کیا جائے کہ وہ کام آپ ﷺ نے ترک کیا تھا۔
- افعال نبوی ﷺ میں سے ترک بھی ایک فعل ہے اسی لیے مصنفین نے نبی ﷺ کے افعال کے مباحث میں اس کے بارے میں بھی مجمل کلام کیا ہے اور اس کی بحث کو مفرد طور پر چند ایک نے ہی ذکر کیا ہے۔
- ترک النبی ﷺ دو شرائط کے ساتھ حجت ہوگا: تقاضا کرنے والے امور موجود ہوں اور کوئی مانع نہ ہو۔
- تروک النبی ﷺ علم کے ابواب میں سے ایک دقیق باب ہے۔ اس کے قواعد وضوابط ابھی ضبطِ تحریر میں لائے جانے کے محتاج ہیں۔ نیز نبی کریم ﷺ کے ترک کو سنت کے طور پر شرائط کے ساتھ معتبر قرار دیا جائے۔

سفارشات:

امت مسلمہ جو کہ آج کے دور میں انتشار اور فرقوں کی زد میں آچکی ہے اس کی تجدید نو کے لیے یہ لازم ہے کہ سیرت مصطفی ﷺ کا عمیق نظر سے مطالعہ کیا جائے اور نبی ﷺ کی زندگی کے ہر پہلو سے آج کے مسائل کو مد نظر رکھتے ہوئے راہنمائی لی جائے۔ کیونکہ سنت کے محفوظ رہنے کا اعجاز اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ سنت کو ہر دور میں مقدم رکھتے ہوئے لاگو کیا جائے تاکہ امت مسلمہ میں اتحاد واتفاق اور اخوت و یگانگت قائم رہ سکے۔ دین میں نئی نئی عبادات ایجاد کرنے کی آخر ضرورت ہی کیا ہے؟ جبکہ دین کامل ہے اور حجت اتمام ہو چکی ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی قلبی راحت کے لیے عبادات کی کثرت کا خواہاں ہے تو اس کا دین سے زبردستی تعلق جوڑ کر اسے سنت سے مشروع کرنے کی کوشش نہ کرے۔ نبی ﷺ کے ترک کردہ اعمال کو ترک کرنا ہم پر لازم ہے۔ اگر ہم سنت نبویہ پر من و عن عمل کو خود پر لازم نہیں کریں گے تو اس کے بھیانک نتائج اسی بے راہ روی کی صورت میں نمودار ہوں گے جن کا دور حاضر میں ہمیں سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ آج امت مسلمہ کے انتشار و خلفشار کی اہم ترین وجہ یہی افراط و تفریط ہے جو کہ بدعات کہلاتی ہیں۔ لہٰذا السنة الترکیۃ کے درست مفاہیم کو ازبر کرنے کی اشد ضرورت ہے تاکہ بدعات کی پہچان کر کے اس سے بچنے کی ترغیب دلائی جائے۔

اسی طرح السنة الترکیۃ کے مفہوم کو اس کی شرائط کے بیان کے ساتھ تحریر کیا جائے کیونکہ اس سے لاعلمی کی وجہ سے اس ترک میں جو سنت ہے اور اس ترک میں جو سنت نہیں ہے، اختلاط واقع ہو جاتا ہے۔ ایک عامی ان دونوں میں تمیز نہیں کر پاتا جیسا کہ بعض لوگوں اور گروہوں کے ساتھ یہی معاملہ ہی ہوا ہے۔ السنة الترکیۃ کے ذریعے مسلمانوں میں پائی جانے والی بدعات اور خرافات کا سد باب/رد کر کے عقائد کا تصفیہ اور تزکیہ کی ضرورت ہے کیونکہ عقائد مختلف ہوتے ہوئے اتحاد مشکل ہوتا ہے۔

محققین و متعلقہ اداروں کو چاہیے کہ بین الاقوامی کانفرنسز منعقد کرواتے ہوئے ان امور پر تحقیق پیش کی جائے جو دور حاضر اور دور نبوی میں مشترک ہوں، پھر ان اعمال کی بجاآوری پر جناب رسول اللہ ﷺ کا عمل دیکھا جائے۔ اسی کے مطابق فیصلہ کیا جائے کہ اس عمل کی

حیثیت کیا ہے؟ صرف یہی نہیں بلکہ بین الاقوامی طور پر مہم جوئی کرتے ہوئے ایسے تمام اعمال کے ترک کا اہتمام کیا جائے جو معاشرے میں رواج پا چکے ہیں حالانکہ دین میں ان پر عمل کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی۔

@ 2020 by the author, this article is an open access article distributed Under the terms and conditions of the Creative Commons Attribution (CC-BY) (http://creativecommons.org/licenses/by/4.0/)